مقدمہ ابن الصلاح "علوم الحدیث" کا علمی و تنقیدی جائزہ

Intellectual and Critical Analysis of Muqaddimah Ibn-e-Ṣalāḥ (‘Ulūm al- Ḥadīth)

ڈاکٹر عبد الغفار*

ڈاکٹر عبد القادر گوندل**

ABSTRACT

Muqaddimah Ibn-e-Ṣalāḥ is an important Book in Hadith Jurisprudence. Ibn-e-Ṣalāḥ has extended the work of the farmer Jurisprudence. Scholars in his aforementioned book, and all those minute components, which were cited in the books of Ḥadīth Jurisprudence, were inscribed in a specific sequence given coherent form, but on contrary keeping in view the other aspects of Ḥadīth Jurisprudence, modern terminologies or Jargons were also introduced. Muqaddimah of Ibn-e-Ṣalāḥ has been awarded a self-evident position in the knowledge art of Ḥadīth Jurisprudence.

But the scholars, smeared with the qualities of Ibn-e-Ṣalāḥ have critically analysis errors and omissions of Ibn-e-Ṣalāḥ and pin pointed all those places where stance of Ibn-e-Ṣalāḥ has been considered weaken. The mode of picking merits and demerits and analysis because a source to bring reader closer to truthfulness and doctrine in vogue, which has been bestowed to the scholars of Muslim Ummah by Allah Almighty.

This article aims at to critically analyse Muqaddimah Ib-n-e-Ṣalāḥ; how moḥaddithīn follow the principles of Ḥadīth. What is the limit of difference of opinion? Muqaddimah Ibn-e-Ṣalāḥ is the excellent example of Scholarly and intellectual work, but there are certain issues which still need research, all the such issues related to this are discussed in this article.

***Key Wards**: Muqaddimah, Ibn-e-Ṣalāḥ, Ḥadīth Jurisprudence, Doctrine.*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور (نارووال کیمپس)

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیرت، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اصولِ حدیث ایک ایسا فن ہے جو ان قواعد و ضوابط اور اصولوں پر مشتمل ہے جن کی رعایت رکھتے ہوئے راوی اور روایت کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں اور ان کی روشنی میں حدیث کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"هو علم يعرف بها أحوال الراوى والمروي من حيث القبول والرد."(۱)

علم اصول حدیث سے مراد ایسے قواعد وضوابط کا جاننا ہے جن کے ذریعے سند و متن کی معلومات حاصل ہوں یا راوی و مروی کے ان حالات کا علم ہو سکے جن کی بنیاد پر حدیث کے قبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

ابتدا میں اس علم کے اصول و قواعد منضبط شکل میں نہ تھے۔ اگرچہ علمائے محدثین اس علم کے بنیادی اصولوں کا التزام شروع ہی سے کرتے تھے لیکن وہ جامع و مانع تعریفات اور اصطلاحات جو آج اصولِ حدیث کی کتب میں ایک مرتب و منضبط شکل میں ہمارے سامنے ہیں اس وقت موجود نہ تھیں البتہ متقدمین کی کتب میں ان اصولوں کی طرف اشارات ضرور مل جاتے تھے۔ متاخرین نے اس علم کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دی اور اس کے اصول و قواعد کو منضبط کیا اور ان کو احاطہ تحریر میں لائے۔

عہد تدوین میں علم مصطلح الحدیث کا ارتقاء

نقد حدیث کے حوالے سے سب سے پہلے جس نے کلام کیا وہ یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ پھر ان کے زمانے کے بعد جو لوگ آئے، انہوں نے علم نقد میں بہت سی کتب تالیف کیں اس طبقہ کی ابتدا امیر المحدثین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری کے شیوخ، یحییٰ بن معین علی بن المدینی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم سے ہوتی ہے۔

ان ائمہ حدیث کے بعد جو محدثین آئے۔ انہوں نے انہی کتابوں کو بنیاد بنایا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ خلف ہمیشہ سلف سے استفادہ کرتے ہیں۔ سید المحدثین امیر المؤمنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ، چونکہ ان ہی شیوخ کے شاگرد ہیں اس لیے ان کتب اور شیوخ کے براہ راست اثرات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں میں موجود ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اصولوں کو صحیح مسلم کے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً حاملین حدیث کی طبقات میں تقسیم، زیادت ثقہ، روایت کے آداب، دین میں سند کا مقام، جرح، غیبت کی تعریف میں نہیں آتی، حدیث معنعن اور اس سے صحت استدلال وغیرہ۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ سجستانی نے اہل مکہ کی طرف خط لکھا تھا جس میں انہوں نے اپنی سنن کا منہج اور علوم حدیث کے مسائل کا ذکر کیا تھا۔ جس کو شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اپنی تحقیق کے ساتھ اپنی کتاب "ثلاث رسائل فی مصطلح الحدیث" میں شامل کر کے شائع کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "العلل الصغیر" میں بعض مشکل اصطلاحات اور بعض علوم

---

(۱) سیوطی، عبد الرحمن جلال الدین، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی، مکتبہ علمیہ، قاہرہ، ۱۹۵۹، ۱/۳

حدیث کے قواعد زیر بحث لائے ہیں۔ اس کی شرح ابن رجب حنبلی نے کی اور یہ مصطلح الحدیث کے اہم مصادر میں شمار کی جاتی ہے۔ العلل الصغیر در اصل جامع ترمذی ہی کا مقدمہ ہے اس میں جرح و تعدیل، سند کی اہمیت، ضعیف راویوں سے روایت کب قابل حجت ہو گی اور کب نہیں؟ روایت بالمعنی، بعض کبار محدثین کے مراتب، اخذ حدیث و ادائے حدیث کی شکلیں، حدیث مرسل کا حکم اور وہ خاص اصطلاحات جن کا جامع ترمذی میں استعمال ہوتا ہے مثلا "حسن غریب" سے مراد وغیرہ جیسے اہم مباحث کا ذکر ہے اس رسالے کو مولانا سلیمان حسینی ندوی نے پہلی مرتبہ مقدمہ السنن الترمذی کے نام سے شائع کیا تھا۔ بعد میں سید عبد الماجد غور نے "المدخل الی دراسۃ جامع الترمذی" کے نام سے دار ابن کثیر دمشق سے شائع کیا اور علوم حدیث کے متعلق خصوصی بحث کی۔

چوتھی صدی ہجری میں علماء و محدثین نے فن اصول حدیث پر سابقہ بکھرے ہوئے کام کو باسند مرتب کیا اور استدراکات بھی کیے گئے اس دور میں لکھی جانے والی کتب وہ درج ذیل ہیں۔

المحدث الفاصل بین الراوی والواعی

قاضی ابو محمد حسن بن عبد لرحمن بن خلاد الرامہرمزی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب فنی اعتبار سے اصول حدیث پر لکھی جانے والی پہلی کتاب شمار کی جاتی ہے۔ (۱)

معرفۃ علوم الحدیث

یہ کتاب ابو عبد اللہ محمد بن الحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے یہ اصول حدیث پر دوسری بڑی کتاب ہے۔ اور یہی وہ پہلی کتاب ہے جس کا نام "علوم الحدیث" رکھا گیا اس میں صحیح، ضعیف، مرسل اور معضل وغیرہ پر بحث کی گئی ہے اس کے علاوہ اس میں کچھ ایسی انواع بھی قائم کی گئی ہیں۔ جن کا پہلے التزام نہیں تھا۔

کتاب المدخل الی معرفۃ الصحیح من السقیم

یہ بھی امام حاکم کی علم حدیث پر مشتمل دوسری کتاب ہے۔ مدخل دراصل کسی بھی علم کے مبادیات پر مشتمل کتاب کو کہتے ہیں۔

الکفایۃ فی علم الروایۃ

یہ کتاب حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اس کتاب کو اصول حدیث کی ابتدائی معروف کتابوں میں تیسری قرار دیا جاتا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی ترتیب بیان کی ہے۔ (۲)

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۴

(۲) ایضاً، ص: ۲۲

نخبۃ الفکر

یہ کتاب حافظ ابو الفضل شہاب الدین ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (۵۵۷) کی علوم حدیث کا اختصار ہے۔ علماء میں بے حد مقبول ہوئی، مؤلف کی زندگی میں ہی علماء و مدرسین کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ اس کے عام فہم ہونے کے ناطے اسے حفظ کرنا آسان ہے مؤلف نے خود ہی اس کی شرح لکھی جس کا نام نزہۃ النظر ہے۔ اسی علمی و تحقیقی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے مقدمہ ابن الصلاح: (علوم الحدیث) ہے۔ یہ کتاب ابو عمر و عثمان بن الصالح الشہرزوری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اس کتاب میں آپ نے اصول حدیث کی ایک نئی ترتیب قائم کی ہے۔ یہ کتاب علمی حلقوں میں مقدمہ ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہے اور اصطلاحات حدیث کے فن میں سب سے بہترین کتاب گردانی جاتی ہے۔ مصنف نے تمام ضروری بحثیں جو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کی کتب میں متفرق طور پر مختلف انداز میں لکھی ہوئی ہیں جمع کر دی ہیں۔ حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

> **"فحين كاد الباحث عن مشكله لا يلفى له كا شفا والسائل عن علمه لا يلقى به عارفا من الله الكريم تبارك وتعالىٰ على وله الحمد أن أجمع بكتاب معرفة أنواع علم الحديث، هذا الذي باح باسراره الخفية وكشف عن مشكلاته الأبية"[1]**
>
> اس کتاب کی تالیف سے پہلے "اور صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ محقق اور مسائل کے لیے اس علم کی مشکلات کو حل کرنے والا میسر نہ تھا اور اللہ نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں علوم حدیث کی وضاحت کے لیے ایک کتاب لکھ دوں جس میں اس علم کے خفیہ رازوں اور پیچیدگیوں کو واضح کیا گیا ہو۔

اس میں انہوں نے علوم الحدیث کی ٦٥ اقسام بیان کی ہیں وہ امتیازی خصوصیات جو اس کتاب کو دیگر کتب اصول حدیث سے ممتاز کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ آپ نے فن کے مسائل کی تعریفات کے ضبط کا اہتمام کیا اور کچھ ایسی تعریفات کا اضافہ بھی کیا جو سابقہ ائمہ سے منقول نہ تھیں۔

۲۔ سابقہ محدثین کی عبارات کی تنقیح فرمائی اور محل نظر مقامات کی نشاندہی کی اور اس کی اصلاح کا فریضہ سر انجام دیا۔ یعنی اپنی تحقیق و اجتہاد سے علماء فن حدیث کے اقوال پر تعاقب بھی فرمایا۔

۳۔ علم حدیث کے مسائل میں ائمہ حدیث سے منقول نصوص اور روایات سے اصول و قواعد کا استنباط کیا۔

---

(۱) ابن الصلاح، معرفۃ علوم الحدیث، مکتبہ المعارف، ریاض، سعودی عرب، ۱۹۹٦ء، ص:۴

اہل علم کے ہاں علوم الحدیث کا مقام و مرتبہ

علمائے و محدثین کے ہاں علوم الحدیث مقدمہ ابن الصلاح کو بہت اہمیت حاصل ہے اور اس کو اس فن پر سب سے اہم قرار دیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واعتنى بتصانيف الخطيب المتفرقه فجمع شتات مقاصدها وضم اليها من غيرها نخب فوائد فاجتمع فى كتابه ما تفرق فى غيره فلهذا عكف الناس عليه۔"(۱)

اور میں خطیب کی کتابوں سے اعتنا ہو چکا تھا چونکہ اس میں کئی ایک مقاصد جمع ہو گئے تھے اور عبارات بھی کافی مشکل تھیں، تو ایسے حالات میں ابن الصلاح نے اپنے اس مقدمہ بہت سارے دقیق نکتوں کو کھول دیا ہے اور آنے والے علماء کے لیے آسانی پیدا کر دی ہے۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"فإن أحسن ما صنف أهل الحديث في معرفة الاصطلاح كتاب علوم الحديث لابن الصلاح"(۲)

علوم حدیث کی اصطلاحی معرفت میں مقدمہ ابن صلاح سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

اصول حدیث کی اس کتاب پر بعد میں آنے والے لوگوں نے کسی نہ کسی شکل میں اس پر کام کیا۔ ائمہ فن علامہ الحافظ زین الدین عبدالرحیم العراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "التقيد والايضاح لما اطلاق واغلق من كتاب ابن الصلاح" سے "النکت علی مقدمہ ابن الصلاح" لکھا جو کہ پہلے حلب میں چھپا اور پھر المکتبۃ السلفیہ مدینہ منورہ سے اشاعت ہوئی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نکت "الافصاح عن نكت ابن الصلاح" کے نام سے لکھا۔ پاکستان میں اس کے قلمی نسخے حضرت پیر بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں بعد میں یہ کتاب ڈاکٹر ربیع بن ہادی عمیر کی تحقیق کے ساتھ دو جلدوں میں مدینہ منورہ سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الارشاد میں اس کا اختصار کیا اور اس کا نام "التقريب والتفسير لمعرفة البشير النذير" اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی" کے نام سے اس اختصار کی شرح کی۔ اسی طرح علامہ عراقی، سخاوی اور مقدسی رحمہم اللہ نے بھی اس کی شروحات لکھیں۔ امام سیوطی نے ایک اور کتاب جس کا نام "التذنيب فى الزائد على التقريب" ہے۔

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، ص:۳

(۲) سخاوی، محمد بن عبد الرحمن، فتح المغیث، دار الامام الطبری، ۱۹۹۲ء، ص:۲۶

امام بدر الدین جماعہ نے بھی اس کا اختصار کیا اور "المنہل الروی" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب الباعث الحثیث میں اس کا اختصار کیا۔ اسی طرح علامہ علاؤ الدین الماوردی اور بہاء الدین اندلسی وغیرہ بہت سے علماء نے بھی اس کا اختصار کیا۔

علامہ عراقی نے اسے اپنے الفیہ میں منظوم کیا اور اس کی مطول و مختصر دو شرحیں لکھیں۔ مختصر کا نام فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث ہے اس شرح پر برہان الدین بقاعی رحمۃ اللہ علیہ اور قاسم بن قطلوبا نے حواشی بھی لکھے۔ اول الذکر کے حاشیہ کا نام" النكت الوافية بما في شرح الألفية"ہے۔ یہ مکمل نہیں بلکہ نصف کتاب تک ہے۔

اسی طرح علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الفیہ عراقی کی شرح لکھی اور اس کا نام بھی فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ہے اس کے متعلق حاجی خلیفہ فرماتے ہیں:

"وهو شرح حسن لعله أحسن الشروع"

یہ اچھی شرح ہی نہیں بلکہ سب سے بہترین شرح ہے۔

شیخ زکریا انصاری نے بھی الفیہ کی شرح لکھی اور اس کا نام "فتح الباقی بشرح الفیہ العراقی"ہے۔ اس شرح پر علی بن احمد عدوی کا حاشیہ بھی ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی الفیہ کی شرح"قدر الدرر"کے نام سے لکھی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ عراقی کے مقابلہ میں ایک اپنا الفیہ بھی لکھا ہے اور اس کو انہوں نے پانچ روز میں منظوم کیا تھا اور پھر انہوں نے"البحر الذى زخر في الفية الاثر"کے نام سے اس کی شرح لکھیں۔ نیز اس کی ایک شرح محمد محفوظ ترمسی نے بھی لکھی ہے۔ جس کا نام"منهج ذوى النظر في شرح منظومة علم الاثر"ہے۔

الفیہ عراقی کی ایک شرح قطب الدین خیفری نے"صعود المراتى"کے نام سے لکھی۔ اس طرح علامہ زین الدین عینی، ابراہیم بن محمد حلبی اور ابو الفداء اسمعیل بن جماعہ رحمہم اللہ نے بھی اس کی شروحات لکھیں۔ علوم الحدیث لابن الصلاح کے گرد گردش کرتے ہوئے کتابوں کے اس انبار سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب کس قدر عظمت اور اہمیت کی حامل ہے۔ آج جو اس کا سب سے اہم نسخہ ہے اسے الشیخ نور الدین عتر نے اپنی تحقیق سے شائع کروایا ہے۔

علوم الحدیث پر ایک ناقدانہ نظر

اگرچہ حافظ ابن الصلاح کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور لغت وغیرہ مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل ہے اور خصوصا اصول حدیث میں تو آپ امامت و اجتہاد کے بلند درجہ پر فائز ہیں اور آپ کی اس شہرہ آفاق تصنیف کو اس فن میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے لیکن:

"لكُلِ جواد كبوة و لكل صارم نبوة ولكل عالم هفوة"[1]

(۱) ابو ہلال، الحسن بن عبد اللہ بن سہل بن سعید بن یحیی، جمہرۃ الامثال، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۹ء، ۱/۳۰۸

ہر شاہسوار کے لیے ٹھوکر کھانا ہے اور ہر تلوار کے دھنی کے لیے تلوار کا اچٹ جانا ہے اور ہر عالم کے لیے غلطی کرنا ہے۔

جلیل القدر حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کچھ فروگزاشتیں ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ النوع الاول کے فوائد مہمہ میں سے دوسرا فائدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"إذا وجدنا فيما يروى من أجزاء الحديث وغيرها حديثا صحيح الاسناد ولم نجده في أحد الصحيحين ولا منصوصا على صحته في شيء من مصنفات أئمة الحديث المعتمدة المشهورة فإنا لا نتجاسر على جزم الحكم بصحته فقد تعذر في هذه الإعصار الاستقلال بإدراك الصحيح بمجرد اعتبار الأسانيد"

جب ہم اجزائے حدیث وغیرہ پر مشتمل مرویات میں سے کسی روایت کو صحیح الاسناد پاتے ہیں لیکن یہ روایات صحیحین میں سے کسی میں بھی موجود نہیں ہوتیں اور نہ ہی سند اور شہود ائمہ حدیث کی تصانیف میں حجت کی صراحت موجود ہے تو ایسی روایات پر ہم صحت کا حکم لگانے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ اس زمانے میں محض اسانید کی بنیاد پر احادیث کی صحت کو پرکھنا مشکل ہے۔

یعنی آپ کے نزدیک متاخرین کے لیے کسی حدیث کی تصحیح جائز نہیں اور اس سلسلہ میں صرف متقدمین پر ہی انحصار کرنا چاہیے لیکن علماء کرام نے آپ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثم ما اقتضاه كلام ابن الصلاح من قبول التصحيح من المتقدمين ورده من المتاخرين قد يستلزم ردما هو صحيح وقبول ما ليس بصحيح فكم من حديث حكم بصحته أمام متقدم اطلع المتاخر فيه على علة قادحة تمنع من الحكم بصحته ولا سيما أن كان ذلك المتقدم ممن كما يرى التفرقة بين الصحيح والحسن كابن خزيمة وابن حبان"[1]

پھر متقدمین کی تصحیح کے قبول کرنے اور متاخرین کی تصحیح کو رد کرنے میں ابن صلاح کے کلام کا مقتضی یہ ہے کہ بعض صحیح احادیث کو رد کرنا لازم آئے اور بعض غیر صحیح احادیث کو قبول کرنا لازم آئے۔ کیونکہ کتنی ہی احادیث ایسی ہیں جن کو کسی متقدم امام نے صحیح قرار دیا لیکن انہی احادیث میں متاخرین ائمہ کسی ایسی علت قادحہ پر مطلع ہو گئے جس کی وجہ سے ان پر صحت کا حکم لگانا ٹھیک نہیں

(١) سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی، ص: ٨٢

تھا۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ جب متقدم امام ان لوگوں میں سے ہو جو صحیح اور حسن میں تمیز کرنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو۔ جیسے ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والأظهر عندى جوازه لمن تمكن وقويت معرفته".

میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ جو شخص حدیث کی تصحیح کی قدرت اور معرفت رکھتا ہو اس کے لیے (صحت و سقم کا حکم لگانے کا) جواز ہونا چاہیے۔

علامہ عراقی امام نووی رحمۃ اللہ علیہما کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وما رجحه النووي هو الذي عليه عمل أهل الحديث فقد صح جماعة من المتاخرين أحاديث لم نجد لمن تقدمهم فيما تصحيحا-"[1]

جس بات کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قرار دیا اسی پر محدثین کا عمل بھی ہے کیونکہ محدثین نے بہت سی ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے جس کے بارے متقدمین کی جانب سے صحت کا حکم موجود نہیں ہے۔

اور علامہ ابن جماعۃ فرماتے ہیں:

"قلت مع غلبة الظن أنه لوصح لما أهمله أئمة الأعصار المتقدمة لشدة فحصهم واجتهادهم فان بلغ واحد فى هذه الأعصار أهلية ذلك والتمكن من معرفته احتمل استقلاله"

میں غالب گمان کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اگر متقدمین ائمہ سے ان کی شدت احتیاط اور راسخ اجتہاد کے باوجود خطا کا احتمال ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں کوئی شخص (ان کی سی) اہلیت کا حامل ہو اور صحیح و سقم کی معرفت رکھنے میں مستقل ہو۔

مثال ا:

حافظ ابن الصلاح کے معاصرین نے ہی کئی ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے جن کی متقدمین سے صحت ثابت نہیں تھی اور آپ سے متاخر ائمہ نے بھی کئی ایک احادیث پر صحت کا حکم لگایا ہے مثلاً آپ کے معاصر علماء میں سے صاحب "الوهم والإيهام" حافظ ابو الحسن ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

"إنه يتوضا ولعلاه في رجليه ويقول كان رسول الله ﷺ يفعل ذلك."[2]

---

(۱) عبد الرحمن جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی، ص:۷۹

(۲) ابو بکر احمد بن عمرو، مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، تخریج احادیث الہدایۃ التدریب، السیوطی، علامہ البانی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ الالبانی، صحیح ابو داود، کتاب الوضوء، دار السلام والنشر والتوزیع، ریاض، السعودیہ، طبع سوم: ۲۰۰۰ء، ۲۸۵/۱

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وضو فرمایا اس حال میں کہ پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

مثال ۲:

اسی طرح انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے جسے قاسم بن اصبغ نے روایت کیا ہے:

"كان أصحاب رسول الله ﷺ ينتظرون الصلاة فيضعن جنوبهم فمنهم من ينام ثم يقوم إلى الصلاة"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے انتظار میں اپنے پہلو ٹکا لیتے۔ ان میں سے بعض سو بھی جاتے اور پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اسی طرح حافظ ضیاء الدین المقدسی صاحب "المختارۃ" نے اپنی کتاب میں کئی ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے جن کی صحت ائمہ متقدمین سے منقول نہیں تھی۔ حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی "غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر" کی تصحیح کی ہے۔ حافظ و سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ "ماء زمزم لما شرب له" کی تصحیح کی ہے۔

اور شیخ تقی الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شفاء السقام في زيادة خير الأنام" میں تفصیل سے لکھا ہے کہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کا متاخر علماء کو اس منصب جلیلہ سے محروم و معزول کر دینا درست نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ ہر عالم کو خواہ متقدم ہو یا متاخر اس کا حق پہنچتا ہے بشرطیکہ وہ اہلیت رکھتا ہو، اس کی مزید تفصیل کے لیے فتح المغيث للعراقي، فتح المغيث للسخاوي اور تدريب الراوي للسيوطي ملاحظہ فرمائیے۔

اسی طرح حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکم اور ان کی مستدرک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو واسع الخطو في شرط الصحيح متاهل في القضاء به فالأولى أن نتوسط في أمره فنقول ما حكم بصحته ولم نجد ذلك فيه لغيره من الأئمة إن لم يكن من قبيل الصحيح فهو من قبيل الحسن يحتج به ويعمل به إلا أن تظهر فيه علة توجب ضعفه."[1]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کی شرائط میں وافر حصہ پایا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے اہل بھی ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کے بارے میں رائے قائم کرنے میں ہم اعتدال سے کام لیں گے۔ پس ہم یہ کہیں گے کہ جس حدیث کے بارے میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحت کا حکم لگایا اور اس کے

(۱) ابن الصلاح، معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۱۸

بارے میں دیگر ائمہ کا کوئی قول موجود نہیں ہے تو اگر چہ یہ صحیح کی قبیل سے نہ بھی ہو لیکن حسن کی قبیل سے ضرور ہوگی اس سے استدلال کیا جائے گا اور اس پر عمل بھی کیا جائے گا الا یہ کہ اس کے اندر کوئی ایسی علت پائی جائے جو اس کے ضعف کا باعث ہو۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر بھی تعاقب کیا گیا ہے۔ قاضی بدر بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مختصر میں فرماتے ہیں:

"الصواب أن يتبع و يحكم عليه بما يليق من الحسن أو الصحة أو الضعف"

درست یہ ہے کہ تتبع کیا جائیگا اور اس کے حسب حال میں ہر حسن، صحت یا ضعف کا حکم لگایا جائے گا۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ امام حاکم نے جس حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہو اور اس کے متعلق کسی دوسرے امام کی تصریح موجود نہ ہو تو وہ اگر صحیح نہیں تو لا محالہ حسن ہو گی بلکہ تتبع کیا جائے گا اور اس کے حسب حال صحت، حسن یا ضعف کا حکم لگایا جائے گا۔ قاضی ابن جماعۃ کے اس تعاقب کو علامہ سخاوی وانصاری رحمہما اللہ نے بھی ذکر فرمایا ہے اور علامہ عراقی نے النکت میں اسے ذکر کر کے صحیح قرار دیا ہے۔[۱]

اور اس مذکورہ عبارت کے متصل ہی حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

"ويقاربه في حكمه صحيح أبي حاتم بن حبان البستي."[۲]

اور ابن حبان البستی کی صحیح کا حکم بھی تقریباً یہی ہے۔

لیکن آپ کا صحیح ابن حبان کو مستدرک حاکم کے ہم پلہ قرار دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مقام بلند ہے۔ چنانچہ علامہ عراقی، امام حازمی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابن حبان أمكن في الحديث من الحاكم."[۳]

حدیث میں ابن حبان امام حاکم سے زیادہ لیاقت رکھتے ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قيل ما ذكر من تساهل أن حبان ليس بصحيح غايته أن يسمى الحسن صحيحا فإن كانت نسبته إلى التساهل باعتبار وجد أن الحسن في كتابه فهي شاحه في الاصطلاح."[۴]

---

(۱) رمانی، علی بن عیسیٰ، النکت فی اعجاز القرآن فی ثلاث رسائل، تحقیق: محمد خلف اللہ، دکتور محمد زغلول سلام، دار المعارف، مصر، ۱۹۹۷ء، طبع سوم، ص:۱۸

(۲) ابن الصلاح، معرفۃ علوم الحدیث، ص:۱۸

(۳) سخاوی، فتح المغیث، ۱/ ۶۵

(۴) سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی، ص:۵۳

اور یہ کہا گیا ہے کہ ابن حبان کی طرف تساہل کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے حسن کو صحیح قرار دیا ہے۔ اگر ان کی طرف تساہل کی نسبت صرف اسی وجہ سے کی جاتی ہے کہ ان کی کتاب میں حسن احادیث پائی جاتی ہیں تو یہ محض اصطلاح میں جھگڑنے والی بات ہے۔

اسی طرح حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ثم إن الزيادة في الصحيح على ما في الكتابين يتلقاها طالبها مما اشتمل عليه أحد المصنفات العمدة المشتهرة... وما ير من جمع في كتابه بين الصحيح وغيره ويكفي مجرد كونه مجردا في كتب من اشترط منهم الصحيح فيما جمعه ككتاب ابن خزيمة."[۱]

صحیح حدیث جو کہ ان دو کتابوں کے علاوہ میں موجود ہیں ہماری مراد سنن اربعہ اور س کے علاوہ صحیح ابن حبان مراد ہے۔ یعنی سنن اربع کے علاوہ جنہوں نے صحیح ہونے کی شرائط لگائی ہے۔

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ "من اشترط منهم الصحيح" کے ضمن میں تو صحیح ابن حبان بھی آتی ہے اور اسے آپ خود بھی مستدرک حاکم کے متقارب قرار دے چکے ہیں اور مستدرک کے مقام و مرتبہ اور محتویات سے حدیث کا ہر طالب علم واقف ہے۔

اور دوسری گزارش صحیح ابن خزیمہ کے متعلق ہے جسے آپ نے بطور مثال بیان فرمایا ہے کہ اس پر مطلقاً یہ حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے جبکہ اس میں اور اس جیسی دیگر کتب میں ضعیف روایات بھی ہیں۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ کی ہم تین روایات پیش کرتے ہیں۔

۱۔

"قال رسول اللهﷺ اذا توضأ أحدكم ثم يخرج إلى المسجد فلا يشبكن يديه فانه في صلاته"

آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص وضو کرے اور پھر مسجد کی طرف جائے تو اپنے ہاتھوں کی تشبیک نہ کرے (یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں نہ پھنسائے) کیونکہ وہ نماز میں ہے۔

اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے جس کے سبب بعض ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی سند میں راوی ابو ثمامہ الحجازی مجہول الحال ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تقریب" میں فرمایا ہے اور "تہذیب" میں امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے، لا يعرف يترك.

(۱) ابن الصلاح، معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۱۷

۲۔

"سئل رسول اللہﷺ عن هذه الآية:﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِه فَصَلّٰى﴾ قال انزلت فی زکوة الفطر"

آپ ﷺ سے آیت:﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت صدقہ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ ہے جس کے متعلق امام منذری نے فرمایا "واہٍ" اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اس حدیث کو مناکیر سے شمار کیا ہے۔

۳۔

"من صلى بعد المغرب ست ركعات لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له"

" مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد چھ رکعات ادا کرنا اور دوران ادائیگی کسی قسم کی غیر مہذب گفتگو نہ کی جائے۔(یعنی گناہ ولی گفتگو) تو وہ بارہ سال کی عبادت کے برابر ہو گی۔"

اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عمر بن عبد اللہ بن ابی خثعم ہے جس کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں:

"منکر الحدیث ذاهب"[۱]

تو حافظ ابن صلاح کے مذکورہ ارشاد کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ صحیح ابن خزیمہ میں ان جیسی روایات بھی ہیں۔

منکر حدیث کی بحث میں حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ منکر اور شاذ کو مترادف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والصواب فيه التفصيل الذي بيناه انفا في شرح الشاذ وعند هذا نقول المنكر يقسم قسمين على ما ذكرناه في الشاذ فانه بمعناه"[۲]

اور درست یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے جو کہ ہم نے عنقریب ہی بیان کی ہے شاذ کی شرح میں اور اس موقع پر ہم کہتے ہیں کہ ہماری ذکر کردہ تفصیل کے مطابق منکر کی دو قسمیں ہیں۔ اور شاذ بھی اسی معنی میں ہے۔

لیکن آپ کا منکر اور شاذ کو مترادف قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ منکر اور شاذ ایک نہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

(۱) ذہبی، شمس الدین، محمد بن احمد بن عثمان، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفۃ، بیروت، طبع اول:۱۹۶۳ء، ۲/۲۶۴

(۲) ابن الصلاح، معرفۃ علوم الحدیث، ص:۷۲

"شاذ و منکر میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ مخالفت میں دونوں شریک ہیں جبکہ صفات خاصہ کی وجہ سے دونوں الگ ہیں شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے اور منکر کا ضعیف۔"

"وقد غفل من سوى بينها"(۱)

ان لوگوں نے غفلت برتی ہے جنہوں نے شاذ اور منکر کو مساوی قرار دیا ہے اور ان میں امتیاز نہیں کیا۔

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المنكر الذى روى غير الثقة　　مخالفا فى نخبة قد حققه

قابله المعروف والذى رأى　　ترادف المنكر والشاذ نأى(۲)

منکر وہ ہے جس کو غیر ثقہ راوی نے روایت کیا ہو اور جو مقرر شدہ تحقیق کی راہ سے ہٹ گیا ہو۔ اس کے مقابل معروف ہے۔ اور جس شخص نے منکر اور شاذ کو مترادف قرار دیا وہ حق سے دور چلا گیا۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ حدیث مرسل کی صور مختلفہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مرسل کی چوتھی صورت یہ ہے کہ تبع تابعی براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل نقل کرے جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہیں:

"قال رسول الله ﷺ كذا وكذا أفعل بحضرته كذا "أحدهما إذا انقطع الاسناد قابل الوصول إلى التابعى فكان فيه رواية ولم يسمع من المذكور فوقه... لا يسمى مرسلا"(۳)

ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسناد تابعی تک پہنچنے سے پہلے ہی منقطع ہو جائے۔

امام حاکم نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

"أما مشائخ الحديث فهم لا يطلقون المرسل الأعلى ما أرسله التابعي عن النبيﷺ فاما مشائخ أهل الكوفه فكل من أرسل الحديث عن التابعين أو أتباع التابعين من العلماء فانه عندهم مرسل محتج به."

جہاں تک مشائخ حدیث کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک مرسل کا اطلاق صرف اس روایت پر ہوتا ہے جسے تابعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست بیان کیا ہو لیکن کوفہ کے مشائخ ہر اس حدیث کو

---

(۱) ابن حجر عسقلانی، نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، ص: ۷۰

(۲) السیوطی، الفیۃ، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۹۸۰ء، ص: ۹۳

(۳) ابن الصلاح، معرفۃ علوم الحدیث، ص: ۴۷

مرسل کہتے ہیں جسے تابعین یا تبع تابعین علما میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت کیا ہو ان کے نزدیک ایسی روایت قابل حجت ہے۔

علامہ عراقی نے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو بنیاد بناتے ہوئے تبع تابعی کی براہ راست روایت کو مرسل ماننے میں تذبذب کا اظہار کیا ہے۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تعاقب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"قوله قبل الوصول إلى التابعي ليس ببعيد بل الصواب قبل الوصول إلى الصحابي فانه لو سقط التابعي أيضا كان منقطعا لا مرسلا عند هؤلاء"[1]

ان کا کہنا کہ "تابعی تک پہنچنے سے پہلے" یہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ درست یہ ہے کہ "صحابی تک پہنچنے سے پہلے" کیونکہ اگر درمیان سے تابعی بھی ساقط ہو گیا تو تمام حضرات کے نزدیک یہ منقطع ہے مرسل نہیں ہے۔

معرفۃ الاسماء والکنی میں ان رواۃ پر بحث کرتے ہوئے جن کے نام کنیت جیسے ہیں اور ان کی کنیت بھی ہے، ایک یہ نام بتلاتے ہیں۔ ابو بکر بن عبد الرحمن یعنی جو فقہاء سبعہ میں سے ہے۔ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا نام ابو بکر اور کنیت عبد الرحمن تھی۔ لیکن انہیں یہاں بطور مثال پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام اور کنیت ایک ہی تھی جیسا کہ امام ابن ابی حاتم اور علامہ عراقی نے فرمایا ہے۔[2] یہ اور اس طرح کے چند دیگر مقامات ہیں جن میں ائمہ فن نے حافظ ابن الصلاح سے اختلاف کیا ہے تاہم اس سے علوم الحدیث کی اہمیت و عظمت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی امتیازی و انفرادی شان بدستور قائم رہتی ہے۔

خلاصہ

مقدمہ، کتب اصول حدیث میں ایک خاص اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ ابن الصلاح نے مذکورہ کتاب میں اپنے سے پہلے ائمہ اصول حدیث کے کئے گئے کام کو آگے بڑھایا اور وہ تمام جزئیات جو ان سے پہلے اصول حدیث کی کتب میں مندرج تھیں انہیں ایک انضباطی شکل دی اور ایک خاص ترتیب سے رقم کیا بلکہ اصول حدیث کے دیگر پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے اصطلاحات کا اضافہ بھی کیا علم فن اصول حدیث میں ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن مقدمہ ابن الصلاح کی تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ ائمہ فن نے ابن الصلاح کے

---

(۱) عراقی، زین الدین، عبد الرحیم، التقیید والایضاح، لما اطلق واغلق من کتاب ابن الصلاح، المکتبۃ السلفیہ، مدینہ منورہ، ۲۰۰۰ء، ص:۵۵

(۲) عبد الرحیم زین الدین عراقی، التقیید والایضاح، ص: ۳۲۲؛ الرازی، حافظ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس، الجرح والتعدیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۵۲ء، ۲/ ۳۳۶

تسامحات و تساہلات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ خصوصا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن الصلاح کی قائم کردہ اصطلاحات مثلا الاصح، صحیح، حسن، معلل وغیرہ گو کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل بہت مضبوط ہیں لیکن بعض جگہوں پر آپ کے دلائل میں وزن محسوس نہیں ہوتا اور ابن الصلاح کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ اور ان تمام مقامات کی نشاندہی کی ہے جس میں ابن الصلاح کے موقف میں کمزوری محسوس ہوتی ہے حسن و قبیح اور محاکمہ کا یہ انداز قاری کو راجح مسلک اور حق کے قریب تر کرنے کا سبب بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے اہل علم کو عنایت فرمایا ہے۔

تاہم مقدمہ ابن صلاح کی حیثیت اصول حدیث میں مسلم ہے۔

نتائج البحث

- حافظ ابن الصلاح ایک نابغہ روزگار اور اسلام کی مایہ ناز شخصیت تھے۔
- اصول حدیث کے فن میں ابن الصلاح کا نام حاذق اور ماہر فن آئمہ میں شمار کیا جاتا ہے۔
- مقدمہ ابن الصلاح اصول حدیث کی منفرد اور ابتدائی کتب میں سے ہے۔
- حافظ ابن الصلاح کی مقدمہ میں قائم کی گئی اصطلاحات الاصح، الاسناد، حسن، مرسل، اور علل پر متاخرین نے بحث کی ہے۔
- ابن حجر نے ابن الصلاح کے تسامحات کو آئمہ فن کے اقوال و دلائل سے ثابت کرنے کا اہتمام کیا ہے۔
- حافظ ابن الصلاح نقاد محدثین کے ہاں فن نقد میں مصدر کی حیثیت حاصل ہے۔
- حافظ ابن الصلاح کے قائم کردہ اصول حدیث سے استعارہ کیے بغیر متاخرین علماء نقاد کی علمی کاوشوں کو مکمل نہیں سمجھا جاسکتا۔